سورة القمر

اسے سورۃ اقتربت بھی کہا گیا ہے اس میں ۵۵ آیات ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحیم

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے۔

(۱) اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (ترجمہ:۔قیامت قریب آ گئی) یعنی نزدیک آن پہونچی ہے۔مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ سورہ ''ق'' اور ''اقتربت الساعة'' عید الاضحیٰ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے اسے صیغۂ ماضی سے بیان فرمایا ہے، اس لئے کہ اس کا وقوع ہر حال میں یقینی ہے۔ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (ترجمہ:۔اور چاند ٹکڑے ہوگیا) یعنی جدا ہوگیا۔اور حذیفہ نے اسے '' قد انشق القمر '' پڑھا ہے۔قمر کے ٹکڑے ہونے کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا زمانۂ نبوت میں اس کا وقوع ہوا ہے یا قیامت سے پہلے واقع ہوگا۔عثمان بن عطاء اور حسن کی رائے ہے کہ چاند قیامت کی آمد پر پھٹ جائے گا اس کا ذکر ماضی کے صیغہ کے ساتھ اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کا واقع ہونا یقینی ہے اور جمہور کی رائے ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پھٹ چکا ہے اور اکثر مفسرین کے قول کے مطابق اس کا بیان کچھ یوں ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اگر آپ سچے ہیں تو آپ ہمیں چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھائیں اور انہوں نے اس صورت میں ایمان لانے کا وعدہ بھی کیا اور وہ چودھویں کی رات تھی اور آپ ﷺ نے اپنے رب سے سوال کیا جس پر چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک نصف صفا پر اور دوسرا نصف قیقعان پر آ گرا جس پر اہل مکہ نے کہا کہ آسمانی نشانی ہے اور اس میں جادو کا عمل نہیں ہوتا۔ابوجہل نے کہا صبر کرو کہ یہاں تک کہ ہمارے ہاں دیہات سے لوگ آئیں اگر انہوں نے شق ہونے کی خبر دی پھر تو وہ صحیح ہے ورنہ محمد ﷺ نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے پھر دیہاتوں سے بھی لوگ آئے اور انہوں نے چاند کے شق ہونے کی خبر دی جس پر ابوجہل نے انکار کیا اور کہا کہ یہ تو چلتا پھرتا جادو ہے۔انشقاق قمر کا معائنہ کرنے والوں میں عبداللہ بن مسعودؓ اور جبیر بن مطعمؓ بھی ہیں اور اس کے بارے میں ابن عمر، انس، حذیفہ اور ابن عباسؓ نے روایت نقل کی ہے۔بخاری اور مسلم وغیرہ نے ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہوگیا جس میں سے ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر آیا اور دوسرا پہاڑ کے اس پار چلا گیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! گواہ رہنا۔اسی طرح امام احمد نے معمر کے ذریعہ سے حضرت ابن مسعودؓ سے حدیث نقل کی ہے، نیز ابوداؤد طیالسی نے مسروق کے ذریعہ سے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے۔اس کے علاوہ امام احمد بن حنبل، محمد بن جبیر بن مطعم سے اور وہ اپنے والد کی سند کے ساتھ روایت لائے ہیں۔آپ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے زمانے میں چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا۔ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر اور دوسرا دوسرے پہاڑ پر آن گرا۔جس پر کفار نے کہا کہ محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر جادو ہوتا تو تمام لوگوں پر جادو نہیں کیا جا سکتا۔اس روایت کو امام ترمذی اور امام حاکم نے بھی بیان کیا ہے اور اسے صحیح

قرار دیا ہے اور بیہقی مجاہد کے ذریعہ سے ابن عمر سے اقتربت الساعة اور انشق القمر کے متعلق روایت لائے ہیں جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں واقع ہوا تھا اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور دوسرا پہاڑ کے دوسری طرف گرا تھا۔ جس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللھم اشھدی. ابن کثیر فرماتے ہیں اس طرح سے مسلم اور ترمذی بذریعہ شعبۃ، وہ الاعمش سے اور وہ مجاہد سے روایت بیان کرتے ہیں۔ امام بخاری حضرت انس سے روایت لائے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ اہل مکہ نے نبی ﷺ سے نشانی مانگی تو چاند مکہ میں دو مرتبہ شق ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اقتربت الساعة وانشق القمر. اور بخاری نے حضرت انس کی روایت درج کی ہے جس میں یوں بیان ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور لوگوں نے غار حرا کو ان کے درمیان دیکھا۔ ابو جعفر بن جریرؒ عبدالرحمٰن سلمٰی کے ذریعہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم مدائن گئے ابھی ہم اس سے ایک فرسخ (تین میل) کے فاصلے پر تھے کہ جمعہ آ گیا میں اور میرے والد جمعہ میں شریک ہوئے تو حذیفہ نے خطاب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ " اقتربت الساعة وانشق القمر . آگاہ رہو کہ قیامت قریب آ چکی ہے اور یقیناً چاند پھٹ چکا ہے۔ خبردار، دنیا فراق کے قریب پہونچ چکی ہے آج کا دن نحیف و نزار ہے اور کل کا دن آگے بڑھنے کا ہے تو میں نے اپنے والد سے کہا کیا کل لوگ مسابقت کریں گے۔ ابا نے کہا تو تو جاہل ہے۔ اس سے مراد ہے اعمال کے ذریعہ آگے بڑھنا ہے۔ پھر دوسرا جمعہ آیا جس میں ہم شریک ہوئے حضرت حذیفہ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اقتربت الساعة وانشق القمر .آگاہ رہو کہ قیامت قریب آ چکی ہے، چاند پھٹ چکا ہے، خبردار فراق کے قریب پہونچ چکی ہے، آج کا دن نحیف و نزار ہے اور کل کا دن یوم مسابقت ہے اور انتہا آگ ہے اور آگے بڑھنے والا وہ ہے جو جنت میں آگے بڑھ گیا۔ بخاری نے کہا ہے کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند پھٹ گیا اور علی بن ابی طلحہ کے ذریعہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اقتربت الساعة وانشق القمر و ان یروا آیة یعرضوا و یقولوا سحر مستمر. آپ فرماتے ہیں یہ ہجرت سے پہلے واقعہ ہو چکا ہے کہ چاند پھٹ گیا حتیٰ کہ اس کے دو ٹکڑے نظر آئے۔ میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ اس بارے میں بہت سی احادیث ہیں، ابن کثیر اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس بارے میں صحیح اسناد کے ساتھ متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں لہذا اس بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ انشقاق قمر ایک واضح معجزہ تھا جو آپ ﷺ سے منکرین کو خاموش کرنے کے لئے وارد ہوا اور وہ اس کو دیکھ کر عاجز آ گئے امام رازی فرماتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انشقاق قمر عنقریب واقع ہوگا۔ یہ قول بعید از قیاس ہے اس کا کوئی مقصد نہیں ہے اس لئے کہ اس کے واقع ہونے سے انکار فلسفیانہ موشگافی ہے، اللہ انہیں رسوا کرے کہ وہ ماضی اور مستقبل میں اس کے وقوع سے انکار کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اُن کا یہ قول اس وجہ سے ہے کہ وہ اس عقیدہ کے ہیں کہ افلاک اور کواکب کون و فساد کو قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ افلاک اور کواکب حرکتِ مستقیمہ کو قبول نہیں کرتے جو چیز مستقیم حرکت کو قبول نہیں کرتی وہ بننے (کون) اور بگڑنے (فساد) کو بھی قبول نہیں کرتی۔ اور اس بات پر دلیل "الاشارات" میں شیخ الرئیس کا وہ قول ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو یقیناً اس میں مستقیم حرکت ہوتی، جب دلیل ہی محال ہے تو دعویٰ بھی محال ہے۔ اس بات پر دلیل جیسا کہ

الاشارات میں ذکر کیا گیا ہے اگر وہ درست ہوگی تو اس میں میل مستقیم بھی ہوگا اور جب صغریٰ محال تو کبریٰ بھی محال ہی ہوگا۔البتہ اس کے مشروط ہونے کا بیان تو وہ یہ ہے کہ جب اس کی ایک صورت زائل ہوگی تو دوسری صورت پیدا ہوگی تو پہلی صورت اس جسم کا فساد ہوگی جس کی صورت زائل ہونے والی صورت تھی اور دوسری صورت کا حاصل ہونا اس کے لئے ''کون'' (بننا) ہے تو جب جسم سابقہ صورت کے ساتھ موصوف ہوگا تو وہ معین مکان کا مستحق ہوگا اور جب اس سے وہ صورت زائل ہوجائے گی اور اس میں دوسری صورت پیدا ہوجائے گی تو وہ ایک اور معین مکان کا مستحق ہوجائے گا اس لئے کہ مختلف بالطبع دو جسموں کا ایک مکان میں متحقق ہونا محال ہے پس جب آپ جان گئے تو ہم اپنے مطلوب پر دلیل ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر بننے والا جسم یا تو وہ اپنے طبعی مکاں میں متکوّن ہوتا ہے یا طبعی مکان میں متکوّن نہیں ہوتا؟ پھر اگر وہ طبعی مکان میں متکوّن نہیں ہوگا تو وہ لامحالہ اپنے طبعی مکان کی طرف طبعی حرکت کرے گا اور اگر وہ طبعی مکان میں متکوّن ہے تو وہ جسم اس مکان میں اس صورت میں آنے سے پہلے کسی دوسری صورت کے ساتھ موصوف رہا ہوگا اور اس وقت وہ مکان اس کا طبعی مکان نہیں ہوگا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ ایک مکان کے مختلف بالطبع دو جسم مستحق نہیں ہوسکتے اس وقت اس مکان کے اندر غیر ملائم جسم حاصل ہوگا اور جب اس میں غیر ملائم جسم کا حصول لازمی امر ہوگا اور اگر اس سے خارج ہوگا تو پھر وہ ملائم نہیں رہے گا اور وہ خارج ہونے والا ملائم جسم حرکتِ مستقیمہ کے ذریعہ اس کی طرف لوٹ کر آنے کا آرزومند ہوگا تو اس وقت اس جسم کا اس کے لئے ملائم ہونا ضروری ہوگا اور میلِ مستقیم والا ہونا بھی ضروری ہوگا اور جو جسم اب اس میں وقوع پذیر ہوگا وہ بھی اس کے لئے ملائم ہوگا اور آپ یہ جان چکے ہیں کہ بالطبع دو مختلف جسم ایک مکان کو گھیر نہیں سکتے۔اس صورت میں اس وقت اب حادث ہونے والے جسم کا تمام ماہیت میں اس جسم کے مساوی ہونا درست ہے جس پر حرکت مستقیمہ کا وقوع ہوسکتا ہے اور دونوں مسئلوں کا حکم ایک ہی ہے۔پس جب کسی ایک مکان میں قرار پکڑنے والے کے لئے حرکت کا وقوع درست ثابت ہوگیا تو ہر مکان میں قرار پکڑنے والے کے لئے اس کا وقوع درست ہوگا جس سے ثابت ہوا کہ ہر متکوّن (پیدا ہونے والا) فاسد (بگڑنے والا) ہے پس اس پر حرکت مستقیمہ کا وقوع درست ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ''فلک'' میل متدیر کا متقاضی ہے بشرطیکہ وہ حیز طبعی میں ہو اور میل متدیر متقاضی ہے حیز طبعی سے خارج ہونے کی شرط کے ساتھ۔جیسے تم لوگ کہتے ہو کہ ہر عنصر کی طبیعت حرکت کا تقاضا کرتی ہے بشرطیکہ اسے حیز طبعی سے خارج کیا جائے اور ہر عنصر کی طبیعت سکوں کا تقاضا کرتی ہے بشرطیکہ اسے حیز طبعی حاصل ہو۔جب ایسا ہے تو فلک میں حرکت مستقیم کا آغاز بایں معنی ہوتا ہے کہ اس کی صورت نوعیہ ایسی صورت ہے جو کہ میل مستقیم کا تقاضا کرتی ہے جب اسے خارج حیز میں متکون ہونا واقع ہوسکتا ہو اور جب اس کا اپنی حیز میں متکون ہونا ممکن ہوسکتا ہو تو پھر وہ میل متدیر کا تقاضا کرتی ہے پس جو دلیل تم نے ذکر کی ہے وہ اس احتمال کو باطل نہیں کرتی۔

کہا گیا ہے کہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہر جسم عنصری ہو یا فلکی ہو۔ھیولا اور صورۃ سے مرکب ہوتا ہے اور یہ اپنے مقام پر ثابت ہوچکا ہے کہ اجسام باہم متماثل ہوتے ہیں پھر بعض اجسام میں کون وفساد واقع ہوتا ہے جیسا کہ یہ ظاہری طور پر محسوس بھی کیا جاتا ہے تو

کون وفساد کا وقوع تمام اجسام میں جائز ہوگا ورنہ بغیر مرجح کے ترجیح لازم آئے گی۔ میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ یہ قول بظاہر ضعیف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ جب قرآن دنیا کی بربادی اور بعدہ اس کی تعمیر پر دلالت کرتا ہے تو ہمارے لئے اس قسم کے ھذیانات اور خرافات میں غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو تعلیم ہمیں دی ہے اس پر عقیدہ رکھنا لازم ہے اور اس قسم کے توہمات میں فکر کرنے سے بچنا چاہیئے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ انشقاق قمر، قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، حالانکہ یہ ایک لغو قول ہے۔ کیونکہ اس قول سے صحیح متواترہ احادیث سے ثابت شدہ بات باطل ثابت ہوتی ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ قمر کا انشقاق بطور معجزہ واقع ہوا کیونکہ آپ ﷺ نے مشرکین کو ان کا مطالبہ مانتے ہوئے اس خلاف عادت (خارق عادت) کام کے ذریعہ عاجز کر دیا اور انہوں نے قیامت کی نشانیوں میں کسی نشانی کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ پس جب ان کے حسب سوال کام واقع ہوگیا تو وہ ان معاندین دشمنوں کو خاموش کرانے کے لئے کھلم کھلا معجزہ بن گئے۔ ارشاد ربانی ہے۔

(۲) **وَ اِنۡ یَّرَوۡا اٰیَۃً** (ترجمہ:۔ اور اگر وہ (کافر) کوئی نشانی دیکھتے ہیں) جو نبی پاک ﷺ کی سچائی پر دلالت کرتی ہو۔ یہاں آیۃ سے مراد انشقاق قمر کا معجزہ ہے۔ **یُّعۡرِضُوۡا** (ترجمہ:۔ تو وہ انکار کرتے ہیں) اس میں غور کرنے سے اور اس پر اعتقاد رکھنے سے۔ **وَ یَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ** (ترجمہ:۔ اور کہتے ہیں کہ (یہ) ایک ہمیشہ کا جادو ہے) یعنی دائمی ہے دیر تک رہنے والا، کیونکہ وہ نبی ﷺ سے اکثر و بیشتر بار بار معجزہ دیکھا کرتے تھے اور جب بھی وہ معجزہ دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو جادو ہے۔ معنی یہ ہیں کہ جب وہ نبی پاک ﷺ سے اکثر خوارق عادات کام اور واضح نشانیاں اپنے حسب سوال دیکھتے تو اس پر یہی بات کہتے تھے۔ اخفش نے کہا ہے کہ مستمر کے معنی ہیں رسّی کا بل اور اس کے بل کی سختی۔ اس سے مراد ہے استحکام یعنی محکم اور قوی جادو اور یہی قول نحاس کا بھی چنیدہ ہے۔ فراء کسائی اور ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ مستمر کے معنی ہیں ''ذاھب'' اور یہی ابو منصور کا قول ہے یعنی زائل ہونے والا، ختم ہونے والا جادو

(۳) **وَکَذَّبُوۡا وَ اتَّبَعُوۡۤا اَھۡوَآءَ ھُمۡ** (ترجمہ:۔ اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی) یعنی رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کے جن عظیم معجزات کا معائنہ کیا اس سے روگردانی کی۔ **وَ کُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ** (ترجمہ:۔ اور ہر کام کا وقت مقرر ہے) یعنی ہر معاملہ اپنی غائت تک پہونچنے والا ہے جس پر وہ استقرار پکڑے گا اگر خیر ہے تو خیر پر اور اگر برائی ہے تو برائی پر ۔فراء کہتا ہے کہ ان کا اقرار، ان کا انکار اور ان کی تکذیب مقدر ہو چکا ہے اور اس کو ''مستقر'' بھی پڑھا ہے (ق پر زبر کے ساتھ)۔ ابو حاتم کہتا ہے کہ اس کی کوئی وجہ نہیں ہے اور اسے '' امرٍ'' کی صفت ہونے کی وجہ سے '' را'' کی زیر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے جبکہ مناسب اور بہتر یہی مشہور قراءت ہے (کل امرٍ مستقرٌ)۔

(۴) **وَلَقَدۡ جَآءَ ھُمۡ** (ترجمہ:۔ اور بے شک ان کے پاس آ چکی ہیں) یعنی کفار مکہ کے پاس۔ **مِّنَ الۡاَنۡۢبَآءِ** (ترجمہ:۔ خبریں) یعنی انبیاء علیہ السلام کے ساتھ گزشتہ اقوام کی دشمنی کی خبریں۔ **مَا فِیۡہِ مُزۡدَجَرٌ** (ترجمہ: جن میں کافی عبرت ہے) مزدجر مصدر میمی ہے بمعنی ازدجار۔ یا وہ ظرف مکان ہے یعنی ''موضع زجر'' ہے اور اس کو مُزجر بھی پڑھا گیا ہے۔ تائے افتعال کو

''زا'' بنا کر اُس میں زا کو مدغم کر دیا گیا۔ زید بن علی نے اسے اسم فاعل کے طور پر ''مُزجِر'' (باب افعال میں) پڑھا ہے یعنی '' صارا اذازجر'' .

(۵) **حِكْمَةٌ** (ترجمہ:۔ حکمت ہے) یعنی جس جس چیز میں بھی روک تھام ہے یہ لفظ اس سے ''بدل'' ہے یا محذوف مبتداء کی خبر ہے یا ''مزدجر'' کا بدل اشتمال ہے۔ **بَالِغَةٌ** (ترجمہ: اعلیٰ درجہ کی) یعنی مصالح میں بھرپور۔ **فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ** (ترجمہ:۔ لیکن ڈرانا ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتا) یعنی کون سی چیز بے نیاز کرنے والی ہے یا اس میں ''ما'' نافیہ ہے یعنی ڈرانے والوں نے فائدہ نہیں پہنچایا اور نُذر '' نذیر'' کی جمع ہے۔ مُنذر یا انذار کے معنی میں۔

(۶) **فَتَوَلَّ عَنْهُمْ** (ترجمہ :۔ تو آپ بھی ان سے منہ پھیرلیں) یعنی آپ ان سے اعراض کرلیں ۔ **يَوْمَ** (ترجمہ:۔ جس دن) یعنی اس دن کو یاد کریں۔ **يَدْعُ الدَّاعِ** (ترجمہ:۔ بلانے والا بُلائے گا)۔ یدع میں سے واؤ کو محذوف کر دیا گیا اور الداع میں سے 'یا' کو حذف کر دیا نطق کی سہولت و تخفیف کے لئے۔ ''داع'' سے مراد اسرافیلؑ، جرائیلؑ یا ان کے علاوہ کوئی اور فرشتہ مراد ہے۔ **اِلَى شَىْءٍ نُّكُرٍ** (ترجمہ:۔ سخت ناگوار چیز کی طرف) یعنی شدید معاملہ کی طرف۔ خلیل نے کہا ہے کہ ''نکر'' امر شدید کی نعت (صفت) ہے۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے حسن، ابن کثیرؒ شبل نے کاف کے سکون کے ساتھ اسے پڑھا۔ جیسے عُسر اور عُشر' مجاھد ابوقلابہ اور زید بن علی نے نُکِرَ پڑھا بطور فعل ماضی مجہول پڑھا ہے۔

(۷) **خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ** (ترجمہ:۔ اپنی آنکھوں کو جھکائے ہوئے) فراء کہتا ہے کہ جب صفت جمع سے پہلے آجائے تو اس میں تذکیر و تانیث دونوں جائز ہوتے ہیں۔ ابن مسعود نے اسے 'خاشعة '' پڑھا ہے۔ خشوع بمعنی خضوع ہے۔ خشوع کو ابصار کے ساتھ نسبت دی گئی ہے اس لئے کہ آنکھ ذلت اور ہلکے پن کو ظاہر کرتی ہے اور اس نے مفرد کے طور پر خاشعاً بھی پڑھا ہے ۔**يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ** (ترجمہ:۔ نکلیں گے قبروں سے) یعنی لوگ، اجداث کی واحد جَدَث' ہے اس کے معنی ہیں قبر۔ جوہری نے جَدث کی جمع کے بارے میں، جس کے معنی قبر کے ہیں، اجداث بیان کیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجدث جگہ کا نام ہے جبکہ سیبویہ نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ افعل کا وزن بناء واحد نہیں ہے جبکہ اَجْدُث' جدث کی جمع ہے بعد میں یہ جگہ کا نام بن گیا۔ **كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ** (ترجمہ:۔ گویا کہ وہ پھیلے ہوئے ٹڈی دل ہوں گے) یعنی کثرت کی وجہ سے چاروں طرف بکھرے ہوئے ہوں گے۔ جراد معروف جانور ہے جس کی واحد جرادۃ ہے جو مذکر و مونث دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ جوہری کہتا ہے جراد، جرادة کا مذکر نہیں۔ یہ بقر اور بقرة ، تمر اور تمرة ، حام اور حمامة اور اس قسم کے دوسرے الفاظ کی طرح اسم جنس ہے۔ ابوعبیدہ کہتا ہے کہ کہا گیا ہے کہ یہ پہلے سروۃ کہلاتی ہے اس کے بعد دَبا۔ اس کے بعد غوغا اس کے بعد خیفان اس کے بعد کُتفان اور اس کے بعد جراد۔ یہ جملہ حالیہ ہے اجداث سے نکلنے والوں کو کثرت اور تموج میں جراد کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ بہت بڑے لشکر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جاء و کالجراد الفراش جیسا کہ قرآن میں بھی آیا ہے۔ یوم یکون الناس کا الفراش المبثوث.(القارعۃ۔۴)

(۸) مُّهۡطِعِيۡنَ اِلَى الدَّاعِ (ترجمہ:۔ بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے) الاهطاع یعنی اسراع۔ چلنے میں جلدی کرنا اور یہی ابوعبیدہ کا قول ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

بدجلة دارهم ولقد اراهم بدجلة مهطعين الى السماع

اور ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ مهطعین کے معنی ناظرین ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں خاضعین اور خافضین یعنی اپنی نظروں کو جھکانے والے۔ ''داعی'' سے مراد اسرافیل علیہ السلام لیا گیا ہے۔ يَقُوۡلُ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا يَوۡمٌ عَسِرٌ (ترجمہ:۔ کافر کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے) یعنی کافروں پر شدید ہوگا جیسے اللہ کا فرمان ہے یومٌ عسیر علی الکافرین غیر یسیر. (المدثر ۹،۱۰)

(۹) كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ (ترجمہ:۔ اِن سے پہلے قوم نوح نے جھٹلایا تھا) یعنی قریش سے پہلے فَكَذَّبُوۡا عَبۡدَنَا (ترجمہ:۔ تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا) یعنی نوحؑ کو وَ قَالُوۡا مَجۡنُوۡنٌ (ترجمہ:۔ اور انہوں نے کہا کہ مجنون ہے) کیونکہ نوحؑ نے انہیں رہ راست کی طرف بلایا تھا اور خدا کی طرف سے شریعت و احکامات پہونچائے تھے۔ وَّازۡدُجِرَ (ترجمہ:۔ اور دھمکایا گیا) وازدجر کا لفظ مجنون پر عطف ہے یعنی جنات نے خوف زدہ کر دیا ہے اور اُسے خبطی بنا دیا ہے جس کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہوگئی ہے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ نوحؑ کے بارے میں اللہ خبر دے رہا ہے کہ انہیں ڈانٹا ڈپٹا گیا اور گالی گلوج اور مختلف قسم کی اذیتوں کے ذریعہ آپ کو روکا گیا جس کی وجہ سے آپ ان سے رک گئے۔

(۱۰) فَدَعَا (ترجمہ:۔ پھر انہوں نے دعا کی) یعنی نوحؑ نے رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَغۡلُوۡبٌ (ترجمہ:۔ اپنے رب سے کہ میں مغلوب ہوں) اور اسے اِنّی بھی پڑھا گیا ہے۔ فَانۡتَصِرۡ (ترجمہ:۔ تو میرا بدلہ لے) یعنی میری طرف سے تو ان سے انتقام لے۔ کہا گیا ہے کہ یہ آپ نے اس وقت کہا تھا جب آپ نے خود کو ان کی سرکشی سے عاجز محسوس فرمایا۔ مروی ہے جب بھی کافروں میں سے کوئی آپ سے ملتا تو آپ کا گلہ دباتا اور آپ غش کھا کر گر جاتے اور جب آپ افاقہ میں آتے تو کہتے کہ میری قوم کو معاف فرما یہ نادان ہیں۔

(۱۱) فَفَتَحۡنَاۤ اَبۡوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنۡهَمِرٍ (ترجمہ:۔ تو ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دروازے کھولدئے) ابن عامر اور یعقوب نے فتحنا کی تا کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے دروازوں کی کثرت کی وجہ سے الهُمر کے معنی ہیں زور سے گرنا۔ هَمَرَ الماءُ یعنی زور سے پانی گرا۔ اِنهَمَر همر کی ہی طرح ہے۔ یعنی بہا. هامِرٌ اور مُنهَمِرٌ کے معنی ہیں بہنے والا۔ الهمارُ بہت زور سے برسنے والا بادل

(۱۲) وَّ فَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُيُوۡنًا (ترجمہ:۔ اور ہم نے زمین میں چشمے جاری کردئے) یعنی زمین چشمہ بن گئی گویا کہ وہ ابلتے ہوئے چشموں کا نمونہ بن گئی اور اس میں چشموں کے جاری ہونے کا مبالغہ ہے۔ اصل میں ''فجرنا عیون الارض'' پھر تفجیر کو زمین کی طرف مسند کیا گیا اور مضاف کو تمیز کی جگہ پر رکھ دیا تا کہ مبالغہ کا فائدہ حاصل ہو۔ فَالۡتَقَى الۡمَآءُ عَلٰۤى اَمۡرٍ قَدۡ

قُدِرَ (ترجمہ:۔تو پانی اس میں جمع ہوگیا جو مقدر کر دیا گیا تھا) یعنی آسمان اور زمین کا پانی اس معاملہ پر اکٹھا ہوگئے جو اللہ کے ارادہ یا لوح محفوظ کے اندران کے لئے مقدر کر دیا گیا تھا اور وہ ہے نوحؑ کی قوم کی ہلاکت۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اختلاف نوع کے باوجود پانی جاری تھا۔

(۱۳) وَحَمَلْنٰهُ (ترجمہ:۔اور ہم نے اسے اٹھالیا) یعنی نوحؑ کو اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے تھے۔ عَلٰی ذَاتِ اَلْوَاحٍ (ترجمہ:۔تختوں والی پر) تختوں والی کشتی یعنی چوڑی لکڑیوں والی کشتی پر۔ وَّدُسُرٍ (ترجمہ:۔اور کیلوں والی پر) زجاج نے کہا ہے کہ یعنی کیلیں جن کے ساتھ تختے جوڑے جاتے ہیں۔ اس کی واحد دساز" ہے۔ مروی ہے کہ نافع بن ارزق نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ مجھے دُسُر کے بارے میں بتائیے تو آپ نے فرمایا یہ وہ میخیں ہیں جن سے کشتی کو محفوظ کیا جاتا ہے جس پر نافع نے پوچھا کیا عرب اس کو جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "ہاں" کیا تم نے کسی شاعر کا یہ شعر نہیں سنا۔

سفینة نوتی قد احکم صنعها مثخنة الالواح منسوجة الدسر

(۱۴) تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا (ترجمہ:۔ہماری حفاظت میں چلتی تھی) یعنی ہماری نظر کے سامنے۔ مقاتل نے کہا ہے باعیننا کے معنی بوحینا (ہماری وحی کے ساتھ) ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "بامرنا" بھی معنی ہیں۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ باعیننا کے معنی ہیں "باَوْلیائنا" فلان عین من عیونِ الله کے معنی ہیں کہ وہ اللہ کے اولیاء میں سے ایک ولی ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کشتی چل رہی تھی جبکہ ہماری نظریں آپ پر لگی ہوئی تھیں۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے باعیننا کے معنی ہیں باشفاقنا. عرب کہتے ہیں علی عینی قصدت زیداً۔ اس سے مراد وہ خوف اور جاسوس نظر لیتے ہیں اعین الجواسیس سے مراد فرشتے ہیں یعنی کشتی اس کی حفاظت کے لئے موکل فرشتوں کے ساتھ چل رہی تھی۔ جَزَآءً لِّمَنْ کَانَ کُفِرَ (ترجمہ:۔جس کا انکار کیا گیا تھا اس کا بدلا لینے کے لئے) یعنی ہم نے اس کو اللہ کی نعمتوں کا کفران کرنے والوں کے لئے جزا بنا دیا اور نوحؑ ان کے حق میں نعمت تھے اور انہوں نے اس کا کفران کیا، اسی طرح ہر نبی اپنی امت کے حق میں نعمت ہوتا ہے اور یہ لفظ کفر، کفران سے ہے اور یہ کان کی خبر ہے۔ ابوحیان کہتا ہے کہ اس میں دلیل ہے کہ ماضی کا لفظ "قد" کے بغیر کان کی خبر ہوسکتا ہے اور یہی بصریوں وغیرہ کا بھی مذہب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ظاہرہ یا مقدرہ "قد" کا ہونا ضروری تھا نیز یہ بھی جائز ہے کہ لفظ "کان" زائد ہو۔ اور اسے لِمن کَفَرَ بھی پڑھا گیا ہے یعنی کافروں کے لئے۔

(۱۵) وَلَقَدْ تَّرَکْنٰهَا اٰیَةً (ترجمہ:۔اور ہم نے اُسے نشانی بنا کر چھوڑا) یعنی کشتی کو۔ اور یہ ارشاد ربانی اس کشتی کے واقعہ کی شہرت کی وجہ سے ہے۔ اللہ نے اس کی لکڑیوں کو باقی رکھا یہاں تک کہ اس امت کے ابتدائی لوگوں نے بھی اُسے دیکھا۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ (ترجمہ:۔تو ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا) تائے افتعال سے تبدل کئے گئے دال میں ذال کو ادغام کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور اسے تذکیر میں بھی پڑھا گیا یعنی مُذکِرٌ. ابوحیان نے کہا ہے کہ اصل میں یہ مُذتکر تھا

(۱۶) فَکَیْفَ کَانَ عَذَابِیْ وَ نُذُرِ (ترجمہ:۔ تو کیسا تھا میرا عذاب اور ڈرانا) یہ استفہام تہویل ہے (خوف

دلانے کے لئے) کیونکہ نوحؑ کی قوم پر ایسا شدید عذاب نازل ہوا تھا کہ اس نے ان سب کی جڑیں اکھاڑ دیں اور نسلیں منقطع کردیں۔ اس آیت میں نذر کا لفظ مصدر اور جمع دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ ابوحیان نے کہا ہے کہ کان اگر ناقصہ ہوگی تو اس کی خبر کیف ہوگی اور اگر تامہ ہوگی تو کیف حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہوگی۔

(۱۷) **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ** (ترجمہ:۔ ہم نے قرآن کو نصیحت کرنے کے لئے آسان کردیا ہے) یعنی پند و نصیحت کے لئے وہ اس لئے کہ ہم نے مختلف قسم کے مواعظ وعبر بیان کردئے ہیں ہماری طرف سے آسانی کے لئے یعنی ہم نے قرآن کو ''ذکر'' کے لئے بنایا ہے یعنی احکام و مواعظ کے بیان کے لئے۔ کہا جاتا ہے کہ یسّرنا قته۔ یہ اس وقت کیا جاتا ہے کہ جب کوئی اپنی اونٹنی پر ''پالان'' رکھے اور یسر فرسه کہا جاتا ہے جب کوئی اپنے گھوڑے کو لگام اور زین پہنا دے۔ **فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** (ترجمہ: تو ہے کوئی ذکر حاصل کرنے والا) یعنی ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔

(۱۸) **كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَ نُذُرِ** (ترجمہ:۔ عاد نے جھٹلایا، کیسا تھا میرا عذاب وڈرانا) یعنی عذاب کے نزول سے پہلے عذاب سے بر اڈرانا، ان کے لئے کیسا تھا۔

(۱۹) **اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ** (ترجمہ:۔ بے شک ہم نے ان پر (قوم عاد) بھیجی) **رِيْحًا صَرْصَرًا** (ترجمہ:۔ سخت آواز والی آندھی) ابن عباس کہتے ہیں کہ اس سے مراد یخ بستہ ہوا ہے یہی ضحاک اور قتادہ کا قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد سخت آواز والی ہوا۔ ثعلب کہتا ہے صر کے عام معنی ٹھنڈک ہیں اور زجاج نے کہا کہ صِرّ اور صِرّة سخت ٹھنڈک کو کہا جاتا ہے اور صر صر ''را'' کی تکرار کے ساتھ ہے۔ جیسے قلقلة الشئی اور اقللته کہا جاتا ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب کسی چیز کو اس کی جگہ سے اٹھالیا جائے اور اس میں تکرار کی دلیل نہیں ہے۔ ابن سکیت کہتا ہے کہ اس میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اصل میں یہ صررٌ ہے جو کہ صر سے ہے جس کے معنی ہیں ٹھنڈک۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صریر الباب اور انصرة سے ہے جس کے معنی (چرچراہٹ) ہیں چیخ و پکار۔ یہ زجاج کا قول ہے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے ان کے اوپر شدید آواز والی سرد ترین ہوا بھیجی۔ **فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ** (ترجمہ:۔ ایسے دن میں جس کی نحوست ان کے لئے دائمی بن گئی) جیسے کہ سورۃ ''فصلت'' میں فرمایا گیا ہے فارسلنا علیهم ریحاً صرصراً فی ایام نحسات اور سورۃ الحاقۃ میں فرمایا گیا ہے سخر ها علیهم سبع لیال و ثمانیة ایام حسوما. مروی ہے کہ اس ہوا کی ابتداء بدھ کے دن ہوئی تھی۔ یہ زجاج کا قول ہے۔ عرب ٹھنڈی ہوا جب پچھّم سے چلتی ہو تو نحس کہتے ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ نحس شدة البرد کو کہا جاتا ہے۔ یہ ابوعلی فارسی کا قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے نحس غبار کو کہا جاتا ہے۔ هاج النحس کے معنی ہیں غبار چھا گیا اور کسائی نے ایک قوم سے نقل کیا ہے کہ اس کے معنی ہیں الاستمرار جو کہ مرارة'' سے ہے اور اس کے معنی اُس چیز کے ہیں جو کڑوی ہو اور نفوس کو سخت ناگوار ہو۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ المرّةُ سے ہے جس کے معنی ہیں قوة یعنی طاقتور ہوا اور اس دن سے مراد وہ دن ہے جس میں انہیں اللہ تعالیٰ نے عذاب فرمایا

(۲۰) **تَنۡزِعُ النَّاسَ** (ترجمہ:۔لوگوں کو دے ماری تھی) یعنی ہوا قوم عاد کو۔ یہاں ضمیر کی جگہ پر اسم ظاہر استعمال کیا گیا ہے تا کہ وہاں کے مذکر و مونث سب کو شامل ہو معنی یہ ہیں کہ وہ ٹھنڈی شدید آواز والی ہوا انہیں ان کی جگہوں سے اس طرح اکھاڑ رہی تھی جیسے کھجوروں کو ان کی جڑوں سے اکھاڑا جاتا ہے کیونکہ جب انہوں نے ہوا کی شدت کو دیکھا تو ڈر گئے وہ اپنے غاروں اور گڑھوں میں داخل ہو گئے اور ایک دوسرے سے چمٹ گئے اور سیسہ پلائی دیوار کی طرح صف بستہ ہو گئے تو ہوا نے انہیں اُچک لیا اور ان کی جگہوں سے انہیں فضا میں اڑا لیا اور پھر انہیں مسلسل زمین پر دے پٹخا **كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ مُّنۡقَعِرٍ** (ترجمہ:۔گویا کہ وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں) ابن عباس فرماتے ہیں کہ **اعجاز** کے معنی ہیں کھجور کی جڑیں ،طبری نے کہا ہے کہ یہاں کلام میں حذف ہے مقدر جملہ یوں ہے۔ **فتترکھم کانھم اعجاز نخل منقعر** یعنی وہ ہوا انہیں کھجور کی جڑوں کی طرح بنا دیتی تھی۔اس صورت میں ''کاف'' محذوف کی وجہ سے موضع نصب میں ہے۔انہیں اکھڑی ہوئی کھجور کی جڑوں سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ وہ زمین پر مُردے ہو کر گرتے تھے اور وہ لوگ بہت ہی عظیم الجثہ تھے۔اعجاز بغیر شاخوں کی جڑوں کو کہا جاتا ہے جب اپنے گڑھوں سے اکھڑ گئی ہوں۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہوا ان کی گردنوں کو اڑا دیتی تھی پھر ان کے جسم بغیر سروں کے رہ جاتے تھے۔تو انہیں گڑھوں سے اکھڑی ہوئی کھجور کی جڑوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ابو نہیک نے افعُل کے وزن پر اعجزُ' پڑھا ہے جیسے کہ ضبع سے اُضبع'۔اور نخل اسم جنس ہے مذکر و مونث دونوں طرح آتا ہے۔مُبرد کہتا ہے کہ اس باب سے جو بھی لفظ ہو آپ اُسے اگر چاہیں تو اُسے صورتاً مذکر لکھیں اور معناً مونث مراد لیں۔ میں کہتا ہوں (قول مفسر علام) کہ معنی کا اعتبار کرتے ہوئے **اعجاز نخل خاویۃ** (الحاقۃ۷) کا ارشاد ربانی اسی قبیل سے ہے۔ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اہل حجاز نخل کو مونث استعمال کرتے ہیں اور قرآن پاک میں **والنخلُ ذاتُ الاکمام** . ارشاد فرمایا گیا اور اہل نجد اُسے مذکر کہتے ہیں۔

(۲۱-۲۲) **فَكَيۡفَ كَانَ عَذَابِىۡ وَ نُذُرِ ٭ وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ** (ترجمہ:تو کیسا تھا میرا عذاب اور ڈرانا ہم نے قرآن کو آسان کر دیا نصیحت کے لئے تو ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا) اس جملے کی تکرار محض تہویل و تخویف کے لئے ہے۔

(۲۳) **كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِالنُّذُرِ** (ترجمہ:۔ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا) یہ نذیر کی جمع ہے اور اس سے مراد رسول ہیں۔یا یہ انذار کے معنوں میں ہے۔تب یہ معنی ہوں گے ثمود نے اس ڈرانے کو جھٹلا دیا جس کے ساتھ ان کے رسول یعنی صالحؑ نے انہیں ڈرایا تھا۔

(۲۴) **فَقَالُوۡۤا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ** (ترجمہ:۔تو کہنے لگے بھلا ہم اپنے میں سے ایک انسان کی تابعداری کریں) یہاں استفہام انکاری ہے۔**منا واحداً** یعنی ہماری جنس میں سے اکیلا جس بات کی طرف وہ بلا رہا ہے اس بات پر اس کی کوئی بھی تابعداری نہیں کرے گا اور بشر'' کو مقید ا ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا گیا ہے۔ **اِنَّاۤ اِذًا** (ترجمہ:۔یقیناً ہم اس وقت یعنی جب ہم اس کی تابعداری کریں گے) **لَّفِىۡ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ** (ترجمہ:۔ضرور ضرور گمراہی اور عذاب میں ہوں گے) فراء کہتا ہے کہ یعنی عذاب و سختی و شدت کے اندر۔ابو عبیدہ کہتا ہے سُعُر'' سعیر' کی جمع ہے جس کے معنی ہیں **لھبُ النار** ۔آگ کا شعلہ۔ابو علی فارسی کہتا ہے

سُعُر کے معنی ہیں جنون۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ناقة مسعورة کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں ایسی اونٹنی جو سرکشی میں بڑھی ہوئی ہو۔ گویا کہ وہ پاگل ہو۔

(۲۵) ءَ اُلْقِیَ الذِّکْرُ عَلَیْهِ (ترجمہ:۔ کیا اسی پر وحی نازل ہوئی ہے) یعنی وحی۔ مِنْۢ بَیْنِنَا (ترجمہ:۔ ہم میں سے) یعنی ہماری قوم کے درمیان میں سے صرف اُسی کو نبوت اور وحی سے مخصوص کیا گیا ہے باوجودیکہ ہمارے درمیان اس منصب رفیع کے اس سے زیادہ حقدار لوگ موجود ہیں۔ بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ (ترجمہ:۔ بلکہ وہ بڑا جھوٹا متکبر ہے) یعنی وہ نبی نہیں ہے بلکہ حقیقت میں جھوٹا متکبر ہے۔ الاشر کے معنی المرح والنشاط ہیں۔ اترانے والا اور اکڑنے والا۔ جمہور نے فرح'' کے وزن پر اشر'' پڑھا۔ صفت مشبہہ کے طور پر نیز شین کے ضم اور ہمزہ کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اَشُر''. اللہ نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

(۲۶) سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا (ترجمہ:۔ کل انہیں پتہ چل جائے گا) یعنی عذاب کے دن اور اُسے ستعلمون بھی پڑھا گیا۔ مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ (ترجمہ:۔ کون ہے بڑا جھوٹا اور متکبر) یعنی صالحؑ یا اُن کی قوم؟

(۲۷) اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ (ترجمہ:۔ ہم اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں) یہ نیا جملہ ہے۔ ہم اُسے پہاڑ میں سے نکالیں گے۔ فِتْنَةً (ترجمہ:۔ آزمائش کے طور پر) یعنی ابتلاء کے لئے لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ (ترجمہ:۔ ان کے لئے۔ پس آپ ان کا انتظار کریں) یعنی جو کچھ وہ کرتے ہیں آپ اس کا انتظار کریں۔ وَاصْطَبِرْ (ترجمہ:۔ اور صبر سے کام لیں) یعنی جو کچھ ایذا وغیرہ آپ کو پہونچی اس پر آپ صبر کیجئے اور جلد بازی مت کیجئے۔

(۲۸) وَ نَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَیْنَهُمْ (ترجمہ:۔ اور انہیں بتا دیں کہ پانی کی باری ان میں مقرر کر دی گئی ہے) یعنی ایک دن اونٹنی کے لئے اور ایک دن ان کے لئے۔ قول کی کثرت یہاں ذوعقول کی کثرت کے پیش نظر ضمیر مذکر کی لائی گئی ہے۔ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ (ترجمہ:۔ ہر ایک اپنے پانی کی باری پر حاضر ہوگا) الشربُ کے معنی ہیں پانی کا حصہ اور اس کے پینے کا وقت اور اسی طرح اُس کے آخر میں پینے کی کم از کم مقدار۔ اصل میں یہ '' الشربُ'' جانوروں کے پینے کے لئے مستعمل ہے کیونکہ جانوروں کا آخری حصہ جب آتا ہے تو حوض کو خالی کر دیتا ہے۔ ابوزید نے کہا ہے کہ الشرْبُ کے معنی ہیں المورد (گھاٹ) اس کی جمع ہے اشراب اور المحتضر کے معنی ہیں ''الحاضرُ عند نوبته'' اپنی باری پر حاضر ہونے والا اور یہاں پر محتضر سے وہی گھاٹ مراد ہے۔ اس گھاٹ پر اپنی باری باری پر حاضر ہوگا اور جس کی باری نہیں ہوگی وہ اس سے دور رہے گا۔

(۲۹) فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ (ترجمہ:۔ تو انہوں نے اپنے ساتھی کو پکارا) وہ قدار بن سالف تھا۔ فَتَعَاطٰی فَعَقَرَ (ترجمہ:۔ پھر اس نے پکڑا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں) اونٹنی کے قتل کرنے اور اس کے پکڑنے کی جرأت کی یا اس نے تلوار پکڑ لی اور اس کو قتل کیا۔ تعاطی کے معنی ہیں بہ تکلف کسی چیز کو پکڑنا۔ محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ قدار بن سالف درخت کے تنے کی اوٹ میں چھپ گیا۔ پھر اس نے اونٹنی کو تیر مارا اور اس کی کونچ کو زخمی کر دیا اور تیر اس میں سے پار ہو گیا۔ پھر اس نے تلوار سے اس پر حملہ کیا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ بالآخر اُسے ذبح کر دیا اور یہ شخص اپنی قوم کا بدترین شخص تھا۔ اس طرف قرآن شریف نے اذانبعث

اشقاھا (الشمس ۱۲) کہکر اشارہ کیا۔

(۳۰) **فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ** (ترجمہ:۔اور کیسا تھا میرا عذاب وڈرانا) یعنی عذاب واقع ہونے سے پہلے ہی انہیں میرے عذاب سے ڈرانا کیسا تھا۔

(۳۱) **اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً** (ترجمہ:۔بے شک ہم نے ان پر ایک خوفناک آواز بھیجی) اس سے مراد جبرائیلؑ کی خوفناک آواز ہے **فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ** (ترجمہ:۔تو وہ باڑھ کے چورے کی طرح ریزہ ریزہ ہوگئے) الھشیم ، خشک ٹوٹے ہوئے ریزہ ریزہ پتوں کو کہا جاتا ہے یعنی وہ اُس باڑھ کی طرح ہوئے جسے آدمی جمع کرتا ہے یعنی جو انتہائی طور پر خشک ہو چکی ہے معنی یہ ہیں کہ وہ ھلاک کردئے گئے اور پھر وہ ٹوٹے پھوٹے ریزہ ریزہ خشک درخت کی طرح ہوگئے یا خشک گھاس کی طرح ہوگئے جیسے باڑھ والا اپنے مویشیوں کے لئے گرمیوں کے دنوں میں جمع کرتا ہے۔اسے مُحتَظَر بھی پڑھا گیا ہے۔

(۳۲) **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ** (ترجمہ: یقیناً ہم نے قرآن کونصیحت کے لئے آسان کردیا) یعنی نصیحت حاصل کرنے کے لئے۔**فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** (ترجمہ: تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا) یعنی عبرت پکڑنے والا اور وعظ حاصل کرنے والا۔

(۳۳) **كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ ۢ بِالنُّذُرِ** (ترجمہ:۔لوط کی قوم نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا) یعنی اللہ نے انہیں لوطؑ کی زبانی ڈرایا پھر جب انہوں نے اس کی تکذیب کی۔

(۳۴) **اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا** (ترجمہ:۔ہم نے ان پر پتھراؤ بھیجا یعنی ہوا جو انہیں پتھر مار رہی تھی) ابوعبیدہ کہتا ہے کہ الحاصب کے معنی ہوائی پتھر ہے ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ مٹی کا پتھراؤ جس میں پتھریاں بھی تھیں **اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ** (ترجمہ:۔سوائے آلِ لوط کے) اس سے مراد ان کی دو بیٹیاں اور وہ لوگ جنہوں نے آپ کی تابعداری کی۔ **نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ** (ترجمہ:۔ہم نے انہیں سحر کے وقت نجات عطا فرمائی) سحررات کا آخری حصہ یا اس کے معنی ہیں مسحرین اور اسی وجہ سے اُس کو معرب قرار دیا گیا۔

(۳۵) **نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا** (ترجمہ:۔ہماری طرف سے احسان کے طور پر) یہ مفعول لہ ہے سبب کو بیان کرنے کے لئے یعنی ہم نے انہیں نجات بخشی ان پر انعام کی وجہ سے یا یہ مصدر ہے بمعنی "انعمنا" کے یعنی ہم نے نجات دے کر ان پر انعام فرمایا۔**كَذٰلِكَ نَجْزِيْ** (ترجمہ:۔اس طرح ہم جزا دیتے ہیں) یعنی اس انعام کی طرح ہم جزا دیتے ہیں۔ **مَنْ شَكَرَ** (ترجمہ: جوشکر کرے) ہماری نعمت کا۔ایمان لاکر اطاعت کر کے۔

(۳۶) **وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ** (ترجمہ:۔بے شک اس نے انہیں ڈرایا) لوطؑ نے ان پر عذاب آنے سے پہلے **بَطْشَتَنَا** (ترجمہ:۔گرفت سے) یعنی عذاب کے ذریعہ ہماری پکڑ کے **فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ** (ترجمہ:۔تو انہوں نے ڈرانے میں شک کیا) یعنی شک کرتے ہوئے ہمارے ڈرانے کو جھٹلایا۔نذر۔نذیر کی جمع ہے بمعنی انذار کے۔

(۳۷) **وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ** (ترجمہ:۔اور بے شک انہوں نے اُسے اس کے مہمانوں سے بہلانا پھسلانا چاہا)

یعنی انہوں نے ان کے ساتھ فسق وفجور کا ارادہ کیا۔ **فَطَمَسْنَا** (ترجمہ:۔تو ہم نے ملیا میٹ کر دیا) ہم نے مٹا دیا۔ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ ہم نے مٹا دیا یہاں تک ہو گئیں۔ **اَعْيُنَهُمْ** (ترجمہ: ان کی آنکھیں) بدن کی کھال کی طرح۔قتادہ کہتا ہے کہ **طمس** سے مراد یہ ہے کہ جبرئیلؑ نے ان کی آنکھوں پر مارا تو ان کی آنکھیں چہروں کے ساتھ برابر ہو گئیں۔ **طمس** کے معنی اصل میں ''محو'' کے ہیں۔ جب کسی کی آنکھیں چلی جاتی ہیں تو کہتے ہیں **طَمَس طموساً**۔مروی ہے کہ وہ لوگ لوطؑ کے گھر میں بالجبر داخل ہوئے تو جبرئیلؑ نے پر مار کے اندھا کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے طمسنا فرمایا کہ طموس کی نسبت اپنی ذات کی طرف فرمائی ہے۔کیونکہ جبرئیلؑ نے یہ کام اسی کے حکم کی تعمیل میں کیا تھا۔ جمہور نے اسے ''م'' کی تخفیف کے ساتھ اور ابن مقسم نے اسے تشدید کے ساتھ (**طَمَّسْنَا**) پڑھا ہے **فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ وَنُذُرِ** (ترجمہ:۔تو چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا) یعنی ہم نے فرشتوں کی زبانی کہلوایا کہ مزا چکھو۔

(۳۸) **وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً** (ترجمہ:۔اور بے شک ان کے پاس صبح سویرے آیا) یعنی غیر معین دن کی صبح کے وقت ان کے پاس آیا، جمہور نے **بُكْرَةً** کو تنوین کے ساتھ منصرفہ پڑھا ہے نیز اسے **بُكرہ** غیر منصرف بھی پڑھا گیا ہے۔یہ اس وجہ سے کہ اس سے مراد معین دن کی ابتداء ہے۔**عَذَاب'' مُسْتَقِرٌّ''** (ترجمہ:۔یہ ٹلنے والے عذاب) جو ان پر ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ وہ انہیں آگ میں پہونچائے گا۔زید بن علی نے اس کو بغیر تنوین کے پڑھا ہے۔اس صورت میں معنی ہوں گے اس عذاب کو ان سے جدا نہیں کیا بلکہ ان کی موت کے ساتھ اور موت کے بعد بھی متصل رکھا کہ قبر کا عذاب اور پھر جہنم کا عذاب ہوگا۔

(۳۹) **فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ وَنُذُرِ** (ترجمہ: تو چکھو مرا عذاب اور میرا ڈرانا) یہ تاکید ہے اور توبیخ کے طور پر ہے اور یہ جبرئیلؑ کے پر لگا کر ان کی آنکھوں کو مٹانے کے وقت اور صبح کے وقت عذاب نازل کرتے وقت فرمایا گیا۔

(۴۰) **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** (ترجمہ: بیشک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کیا ہے تو ہے کوئی نصیحت کو قبول کرنے والا) مفسرین نے کہا ہے کہ ہر قصّہ کے ساتھ اس جملہ کی تکرار اس بات کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہے کہ ہر رسول کی تکذیب نزولِ عذاب کی مقتضی ہے اور یہ بتانے کے لئے کہ ہر قصہ کا سننا نصیحت حاصل کرنے اور بیدار ہونے اور تنبیہ کے لئے تیار ہونے کی دعوت دیتا ہے تاکہ ان پر سہو اور غفلت طاری نہ ہو جائے۔بیضاوی نے اس طرح ذکر کیا ہے۔میں کہتا ہوں (قول مفسر علام) کہ امام مہدیؑ کی تکذیب کرنا بھی عذاب کے آنے کا سبب ہے سوائے اس کے نبی ﷺ رحمت للعالمین ہیں۔لہٰذا اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں کرتا اس حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے **ما کان الله ليعذبهم و انت فيهم** (الانفال ۳۳) کہہ کر اشارہ فرمایا ہے اس مہلت کی وجہ سے ان لوگوں پر غفلت طاری ہو گئی ہے یہاں تک کہ انہیں موت ہی غفلت سے بیدار کرے گی۔

(۴۱-۴۲) **وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ٥ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا** (ترجمہ:۔فرعونیوں کے پاس ڈرانے والے آئے انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلا دیا) وہ نو نشانیاں تھیں۔ **فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ** (ترجمہ: تو ہم نے انہیں غالب بے حد قدرت والے کی شان کے لائق پکڑ لیا)۔جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

(۴۳) **اَكُفَّارُكُمْ** (ترجمہ:۔کیا تمہارے کافر لوگ) اے گروہ عرب **خَيْر'' مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ** (ترجمہ:۔ان لوگوں

سے بہتر ہیں) اللہ کے نزدیک قوت، تعداد اور مرتبے میں ان کفار سے بہتر ہیں؟ **اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ** (ترجمہ:۔کیا تمہارے لئے معافی لکھی ہوئی ہے) اللہ کے عذاب سے **فِی الزُّبُرِ** (ترجمہ:۔کتابوں میں) یعنی آسمانی کتابوں میں۔

(۴۴) **اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ** (ترجمہ: یا کہتے ہیں کہ ہم بڑی جماعت ہیں) ہمارا معاملہ **مُّنْتَصِرٌ** (ترجمہ: غالب رہنے والا ہے) یعنی ہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں کوئی بھی ہماری عداوت کا ارادہ نہیں کرسکتا لہذا ہم پر ہمارا کوئی بھی دشمن غالب نہیں آسکتا۔ جمہور نے ''یا'' کے ساتھ یقولون پڑھا ہے جبکہ ابو حیاۃ نے کفار کے لئے خطاب کے طور پر ''تا'' کے ساتھ تقولون پڑھا ہے۔

(۴۵) **سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ** (ترجمہ:۔شکست خوردہ ہوگا جھتہ) یعنی کافروں کی جماعت **وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ** (ترجمہ: اور پھٹ پڑیں گے) دُبر یعنی ادبار ہے۔ کچھ حضرات نے نبی ﷺ کے خطاب کے طور پر اسے " ستھزم الجمع " پڑھا ہے (یعنی عنقریب آپ جھتے کو شکست دیں گے) اور یعقوب نے اسے ''ن'' کے ساتھ سنھزم بھی پڑھا ہے۔ اور یہ بدر کے دن واقع ہو چکا ہے حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو انہوں نے کہا میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے۔ یہ آپ نے اسی سے فرمایا کہ یہ خبر امور غیبیہ میں سے تھی اور اس میں بہت سارا ابہام تھا۔ اس کے معنی کو اس کے وقوع کے بعد ہی جانا جاسکتا تھا پھر جب بدر کا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ نے زرہ پہنی اور آپ نے سیھزم الجمع فیولون الدبر کہا تو اس وقت میں اس کے معنی کو سمجھ سکا۔ اور اسی طرح سے اکثر اخبار مغیبات کا حال ہوتا ہے کہ ان کے معنی ان کے وقوع کے بعد ہی ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ ان میں دور کے کنایات اور عجیب و غریب استعارات ہوتے ہیں جن کے معنی کے ادراک سے عقلیں عاجز ہوتی ہیں۔ نیز و یولون الادبار بھی پڑھا گیا ہے اس کی مثال اللہ کا یہ ارشاد گرامی لیولن الادبار ثم لا ینصرون (الحشر ۱۲) ہے۔

(۴۶) **بَلِ السَّاعَةُ** (ترجمہ:۔ بلکہ قیامت کا دن) یہ مذکورہ کلام سے قیامت کے معاملے کی طرف منتقل ہونا ہے۔ **مَوْعِدُهُمْ** (ترجمہ:۔ان کے ساتھ اصل وعدہ کا وقت ہے) یعنی ان کے عذاب کے وعدہ کا اصلی وقت قیامت کا دن ہے۔ البتہ جو ان پر دنیا میں عذاب نازل کیا گیا ہے وہ تو اس کا دیباچہ ہے۔ **وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى** (ترجمہ:۔قیامت تو بڑی آفت ہے) شدید ترین طور پر ہولناک ہے۔ الداھیۃ. انتہائی ناگوار معاملہ ہے نیز داھیۃ ۔ دھیاء بھی کہا جاتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ قیامت ایک بڑی آفت ہے اور ہولناک ہے۔ یہ وہ عظیم گھڑی ہے کہ جس کے دفع کرنے پر کوئی بھی قادر نہ ہوگا۔ **وَاَمَرُّ** (ترجمہ:۔اور انتہائی کڑوی ہے) دنیا کے عذاب سے ذائقہ میں۔ اَمَرُّ مُرارۃ سے ہے کسی نفس پر کسی چیز کی سختی و شدت کے معنی کو ظاہر کرنے کے لئے بطور استعارہ لایا گیا ہے۔

(۴۷) **اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِىْ ضَلٰلٍ** (ترجمہ:۔بے شک گناہ گار لوگ گمراہی میں ہیں) دنیا میں ہدایت کے طریقہ سے اور حیرۃ و خبط میں پڑے ہوئے ہیں۔ **وَّ سُعُرٍ** (ترجمہ:۔اور عذاب میں) یعنی آخرۃ کے اندر جل بھن رہے ہوں گے۔

(۴۸) **يَوْمَ** (ترجمہ وہ دن) یعنی اس دن کو یاد کرو ۔یا ان المجرمین کا ''ظرف'' ہے (یعنی مجرم اس دن ہوں گے) **يُسْحَبُوْنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ** (ترجمہ:۔تو آگ میں منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے) یعنی آگ میں گھسیٹے جائیں گے

سحب کے معنی ہیں کس چیز کو زمین پر منہ کے بل کھینچنا اسی سے ہے۔ تسحب الارض اذیالها (زمین اپنے دامن کو گھسیٹی ہے) **ذُوْقُوْامَسَّ سَقَرَ** (ترجمہ:۔دوزخ کا عذاب چکھو) یعنی انہیں کہا جائے گا کہ آگ کی گرمی چکھو کیونکہ اُسے مَس کرنا رنج والم کے چکھنے کا سبب ہوگا اور (سقر) یہ عجمی اسم ہے جو آخرۃ کے عذاب کا نام ہے اور غیر منصرف ہے۔صاحب کشاف نے کہا ہے کہ یہ استعارہ بالکنایہ ہے۔ابوبکر نے کہا ہے سقر کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ یہ آخرۃ کی آگ ہے اور سقر کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کے اشتقاق کا کوئی علم نہیں۔دوسرا قول یہ ہے کہ اسے سقر اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اجسام وارواح کو گھلا کر رکھ دے گی۔اس صورت میں یہ عربی اسم ہوگا جو کہ سقرت الشمس کی کہاوت سے لیا گیا ہے اور وہ اس وقت بولا جاتا ہے جب سورج کی تپش کسی کو گھلا دیتی ہو۔اس صورت میں علیت اور تانیث کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہوگا۔محبوب نے ابی عمر سے اسے سؔ کو سین میں مدغم کر کے مسَّقر پڑھا ہے۔ابن مجاہد نے کہا ہے کہ اسکا ادغام غلط ہے کیونکہ یہ مُشَدَّد ہے۔ابی عمر کے بارے میں گمان ہے کہ اس وقت تک ادغام نہیں کیا ہوگا جب تک ایک سین کو حذف نہ کیا ہوتا کہ ایک طرح کے الفاظ کا اجتماع نہ ہو پھر اس نے ادغام کیا ہوگا اور ایسا کرنے میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔

(۴۹) **اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ** (ترجمہ:۔بے شک ہم نے ہر چیز کو اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے) یعنی تمام اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قضا وقدر کے ساتھ پیدا کیا ہے جمہور قرا نے كُلَّ لفظ کو منصوب پڑھا اور ابوالسمال نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ابن عطیہ نے کہا ہے کہ اسی کو اہل السنہ کے ایک طبقہ نے بھی اسی طرح پڑھا ہے۔ابوالفتح کہتا ہے یہ بھی عربی میں پڑھنے کا ایک طریقہ ہے اور ہماری قرأت جماعت کے ساتھ ہے۔جہاں تک اس کی نصب کا تعلق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ كُلَّ لفظ منصوب ہے۔اس وجہ سے کہ وہ مضمر ہے۔ شريطة التفسير پر۔اگر اُسے مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع دی جائے اور خلقناہ کو اس کی خبر بنایا جائے تو ادائے مقصود کے لئے نصب کے مطابق ہوگا لیکن اس صورت میں صفت کے ساتھ اس کے التباس کا خطرہ رہے گا کیونکہ خلقنا کا لفظ شیء کے لئے صفت ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔اور بقدر کا لفظ اس کی خبر ہونے کا جبکہ یہ مقصود کے خلاف ہے۔مقصود یہ ہے کہ ہر چیز پر حکم لگایا جائے کہ وہ ایک اندازے کے ساتھ ہماری پیدا کی ہوئی ہے۔یہ مقصود نہیں ہے کہ ہر چیز ہماری پیدا کی ہوئی اندازہ کے ساتھ ہے۔کیونکہ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ بعض موجودہ اشیاء اللہ کی پیدا کی ہوئی نہیں ہے۔جیسا کہ قدریہ اور معتزلہ کا بندوں کے اختیاری افعال کے بارے میں یہ عقیدہ بھی ہے لہذا شئی کی مرفوع ہونے کی وجہ متکلم کے مقصود کے خلاف ہے لہذا نصب ہی مختار ہے اور اسی پر قراء سبعہ کا اجماع ہے اور جمہور ائمہ کوفہ وبصرہ نے كُلَّ شئی کی نصب کو اختیار کیا ہے اس میں زمخشری اور شیخ ابن حاجب بھی ہیں جبکہ بعض اہل بصرہ نے كُلَّ شئی کی رفع پڑھنے کو اختیار کیا ہے۔جو کہ شاذ قرأت اور جمہور کے نزدیک مردود ہے۔ كُلَّ شئی پر رفع پڑھنے کے درست ہونے کی وجہ اس طرح سے ہوسکتی ہے کہ مقصود کو کوئی نقصان نہ پہونچے اور یوں کہا جائے کہ "خلقناہ" خبر ہے شئی کی اس کی صفت نہیں ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے بے شک ہر چیز کو اندازہ کے ساتھ ہم نے پیدا کیا ہے اور یہ معنی قرأت نصب کے مطابق ہیں۔

(۵۰) **وَمَا اَمْرُنَا** (ترجمہ:۔نہیں ہے ہمارا حکم) جب ہم اس کا ارادہ کرتے ہیں۔ **اِلَّا وَاحِدَةٌ** (ترجمہ:۔مگر ایک یعنی ایک ہی مرتبہ اور وہ ہے مدت اور مادہ کے بغیر۔نئے سرے سے پیدا کرنا۔اس سے مراد کلمہ کن ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الامر سے

مراد ''امرالساعۃ'' بھی ہے۔ **كَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ** (ترجمہ:۔آنکھ جھپکنے کی طرح) جس طرح سرعت اور آسانی کے ساتھ آنکھ جھپکائی جاتی ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کو جلدی میں لانے میں ہمارا معاملہ آنکھ جھپکنے کی طرح ہے۔

(۵۱) **وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَاۤ اَشۡيَاعَكُمۡ** (ترجمہ:۔بے شک ہم نے ہلاک کئے تم جیسے بہت سارے) یعنی سرکش، منکر گذشتہ اُمتوں میں کفر میں تمہارے جیسے۔ **فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ** (ترجمہ:۔پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا) جو اس کے ذریعہ نصیحت حاصل کرے۔

(۵۲) **وَكُلُّ شَىۡءٍ فَعَلُوۡهُ فِى الزُّبُرِ** (ترجمہ:۔اورانہوں نے جو کچھ بھی کیا وہ نوشتوں میں ہے) یعنی زبر میں لکھا ہوا ہے اور زبر سے مراد صحائف اعمال ہیں۔ یہ شرط تفسیر میں اضمار کے باب میں سے نہیں ہے کیونکہ اُسے اس میں سے کیا جائے تو تقدیر عبارت یوں بنے گی۔ فعلوا کل شی فی الزبر اس صورت میں اگر فی الزبر کا فعلوا کے ساتھ متعلق ہوگا تو معنی فاسد ہوجائے گا کیونکہ ان کے اعمال کے صحائف ان کے عمل کرنیکا موقعہ محل نہیں ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ان میں کوئی بھی کام نہیں کیا بلکہ کراماً کاتبین نے ان صحائف میں ان کے افعال کو درج کیا ہے۔ اگر یہ شئی کی صفت ہو جو کہ خلاف ظاہر ہے تو اس صورت میں مقصودی معنی فوت ہوجائیں گے کیونکہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ ہر وہ چیز جو وہ کرچکے ہیں وہ ''زبر'' میں ہے اور اس میں لکھی ہوئی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد و کل صغیر و کبیر مستطر کے بالکل مطابق ہے، یہ مقصود نہیں ہے کہ ہر ہونے والی چیز ان کے صحائف اعمال میں درج کی گئی ہے۔ پس رفع کا ہونا لازم ہے۔ اس وجہ سے کہ کل شئی مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ شئی کی صفت ہے اور جار اور مجرور محل رفع ہیں اس لئے کہ وہ مبتدا کی خبر ہے اب تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ کل شئی هو مفعول '' لهم ثابت فی الزبر بحیث لایغادر صغیرة و کبیرة

(۵۳) **وَكُلُّ صَغِيۡرٍ وَّكَبِيۡرٍ** (ترجمہ:۔اور ہر چھوٹا بڑا) اعمال میں سے **مُّسۡتَطَرٌ** (ترجمہ:۔لکھا ہوا ہے) صحائف اعمال میں۔

(۵۴) **اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ** (ترجمہ:۔بے شک متقی لوگ جنتوں اور نہروں میں ہوں گے) یہ نہر اسم جنس ہے، قلیل وکثیر دونوں کے لئے مستعمل ہے اور اس کے معنی ''نہریں'' ہی ہے اور یہ بھی ممکن ہے ''نہر'' نہر' کی جمع ہو اس صورت میں فُعُل' کے وزن پر نُھُرٌ' ہوجائے گا جیسا کہ اَسَدٌ' اور اُسدٌ' ۔ یہ احمد بن یحییٰ نے کہا ہے کہ نہر کی جمع نہر'' اور وہ نہار کی جمع الجمع ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ باغات اور روشنیوں میں ہوں گے کیونکہ جنت میں رات نہیں ہے۔ وہ تو چمکتا ہوا نور ہے۔

(۵۵) **فِىۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ** (ترجمہ:۔سچے مقام میں) یعنی پسندیدہ مقام میں اسے مقاعد صدق بھی پڑھا گیا ہے معنی یہ ہیں کہ ایسی جگہ جس میں صدق اور خیر کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔ اس صورت میں اس جملہ کے اندر موصوف کو صفت کی طرف اضافت دلائی گئی۔ **عِنۡدَ مَلِيۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ** (ترجمہ:۔بڑی قدرت والے بادشاہ کے پاس) یعنی عزیز الملک، غالب وقادر، ذات جو چاہتی ہے وہ کرتی ہے اور جس کا ارادہ کرتا ہے اس کو حکم فرماتا ہے معنی یہ ہیں کہ پرہیز گار لوگ بڑی قدرت والی ذات کے پاس نہروں اور باغات میں مُقرّب ہوں گے۔